آپ نے اپنی تقریر میں کشمیر کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا بلکہ کسی صحبت میں ایک کشمیری بزرگ کے استفسار پر آپ نے کہا تھا کہ اہل کشمیر اپنی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کیلئے جو جنگ کر رہے ہیں وہ بجائے خود تو جہاد کے حکم میں ہے۔ مگر پاکستان کے باشندوں کے لئے اس میں حصہ لینا اس وقت تک موزوں نہیں جب تک ان کی حکومت اور حکومت ہند کے درمیان معاہدانہ تعلقات قائم ہیں۔ اس توجیہ سے کسی حد تک آپ کی پوزیشن واضح تو ہو گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس سے میری اور مجھ جیسے بہت سے لوگوں کی تسلی نہیں ہوئی۔ اول تو حکومت پاکستان نے حکومت ہند سے کشمیر کے معاملہ میں کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے بلکہ وہ ہندوستان کے دعویٰ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکی ہے اور اسی بنا پر اسی مسئلے پر دونوں حکومتوں کی نزاع چل رہی ہے۔ پھر جب کہ حکومت ہند نے حکومت پاکستان کے ساتھ اپنے معاہدانہ تعلقات کا کوئی احترام نہیں کیا اور ان تعلقات کے باوجود جونا گڑھ میں کھلم کھلا معاندانہ اقدام کر چکی ہے تو ہم کیوں ان تعلقات کا احترام ملحوظ رکھیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی خیال رہے کہ اگر ایک ملک کے باشندے سرحد پار کی کسی جنگ میں ایک فریق سے ہمدردی رکھتے ہوں اور بطور خود اس کی مدد کیلئے جائیں تو یہ معاہدانہ تعلقات کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ خود حکومت پاکستان اس کی ذمہ داری سے اپنی براءت کا اظہار کر چکی ہے۔ بین الاقوامی قانون کی رو سے بھی یہ بالکل جائز ہے کہ ایک ملک کے باشندے کسی ایسی طاقت کے خلاف لڑنے کیلئے بطور خود رضاکار بن کر جائیں جو ان کے نزدیک ظالم ہو چاہے دونوں فریقوں سے یا کسی ایک فریق سے ان کے ملک کی حکومت کا معاہدہ دوستی قائم ہو۔ ان وجوہ سے ہمیں آپ کی رائے درست نہیں معلوم ہوتی۔ اور ہمیں اس بات پر بھی حیرت ہے کہ اس موقع پر آپ نے ایک ایسے مسئلے پر جس کے متعلق مسلمانوں کے جذبات بہت نازک ہیں، اظہار رائے کیوں کیا۔ آپ اس وقت پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنے کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں جس میں مسلمانوں کی عام رائے تیزی کے ساتھ آپ کے موافق ہو رہی ہے۔ اس موقع پر آپ کا ایسے خیالات ظاہر کرنا جو مسلمانوں کو کبھی پسند نہیں آ سکتے، آپ کے مقصد کیلئے نقصان دہ ہے۔

آپ نے جس بات کا سب سے آخر میں ذکر کیا ہے ہم سب سے پہلے اسی کے متعلق اپنا مسلک صاف صاف واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آئندہ کبھی آپ یا آپ کی طرح سوچنے والے دوسرے لوگ

مجھ سے کسی قسم کی غلط توقعات وابستہ نہ کریں۔ میرے لئے کسی مسئلے پر رائے قائم کرنے اور ظاہر کرنے میں یہ سوال سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ لوگوں کے جذبات اس معاملہ میں کیا ہیں اور لوگ کس چیز کو پسند یا ناپسند کرتے ہیں۔ میرے سامنے اصلی سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں خدا اور رسول کی ہدایت کیا ہے اور خدا کو کیا چیز پسند اور کیا چیز ناپسند ہے۔ پھر جب مجھے تحقیق سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق فلاں طرز عمل صحیح ہے اور اسی میں خدا کی خوشنودی ہے تو میں خود اس کو اختیار کرتا ہوں اور دوسروں کو اس کی پیروی کا مشورہ دیتا ہوں۔ اس تحقیق سے اگر کوئی چیز مجھے ہٹا سکتی ہے تو وہ صرف یہ کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہی سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ میری تحقیق غلط ہے۔ یہ ثابت ہو جانے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی رائے پر اصرار کرنا میں گناہ عظیم سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر قرآن و سنت میں میری رائے کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہو تو پھر یہ بات میری نگاہ میں قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتی کہ فلاں معاملہ میں مسلمانوں کے جذبات نازک ہیں یا فلاں رائے کو مسلمان ناپسند کرتے ہیں اس لئے جو کچھ حق ہے وہ نہ ظاہر کیا جائے، بلکہ وہ بات کہی جائے جو مسلمانوں کی عام خواہش کے مطابق ہو۔ بلاشبہ میں اپنی قوم سے محبت رکھتا ہوں اور میرے دل میں ان کی خیر خواہی کا جذبہ ان کے کسی بڑے سے بڑے خیر خواہ سے کم نہیں ہے، لیکن میں ان کی بھلائی اسی میں پاتا ہوں کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کے بجائے خدا اور رسول کے بتائے ہوئے طریقے کی پیروی کریں، اور میرے نزدیک اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور بدخواہی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ آدمی حق گوئی کے بجائے پبلک کی رضا جوئی کو اپنا مسلک بنا لے۔ اس قسم کے بہت سے مفتی، لیڈر، مقرر اور محرر پہلے سے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں، وہ ان کی خواہشات نفس کو تسلی دینے والی باتیں کہنے اور لکھنے کے لئے کافی ہیں۔ میں بہرحال اپنے آپ کو اس زمرے میں شامل نہیں کر سکتا۔ مجھے قوم کی خوشنودی سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی عزیز ہے۔ اگر قوم اس راہ پر چلنا چاہے جس میں خدا کی خوشنودی ہے تو میں اس کی خدمت کے لئے حاضر ہوں، ورنہ میں خدا کی خوشنودی کے پیچھے چلتا رہوں گا اور قوم کو اختیار ہے جدھر چاہے جائے۔ آپ کا یہ ارشاد بھی تشریح کا محتاج ہے کہ میرا یہ طرز عمل اس مقصد کے لئے نقصان دہ ہے جس کے لئے میں جدوجہد کر رہا ہوں یعنی اسلامی نظام حکومت کا قیام

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے یہی طرزِ عمل انسب اور اولیٰ ہے۔ آخر اسلامی آئین کے معنی ہی کیا ہیں اگر اس کو بنیاد ہی، سوال یہ ہو کہ ملک کی داخلی سیاست اور خارجی پالیسی کے معاملہ میں اتباع صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا ہوگا نہ کہ قومی خواہشات اور دنیوی مصلحتوں کا۔ پھر یہ میرے موقف کے مطابق ہے کہ میں صرف انہی لوگوں کو اپنے ساتھیوں اور رائے دہندوں پر اعتماد کروں جو خدا و رسول کے آگے جھک جانے کے لئے تیار ہوں۔ ورنہ ایسی رائے عام کی تائید میرے لئے ذرہ بھی مفید نہیں ہے جو نعرہ تو اسلامی حکومت کا لگائے مگر جب اس کی خواہشات کے خلاف کوئی حکم اسے سنایا جائے تو وہ اس پر صرف چیں بہ جبیں ہی نہ ہو بلکہ کہنے والے پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دے۔

اب میں آپ کے اصل سوالات کا جواب عرض کرتا ہوں۔

میں نے جنگ کشمیر کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ دراصل قرآن مجید کے ایک صریح حکم پر مبنی ہے۔ سورہ انفال رکوع ۱۰ میں ارشاد ہوا ہے:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن	اور جو لوگ ایمان تو لے آئے ہیں مگر ہجرت کر کے
وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِنِ	تمہارے پاس نہیں آگئے ان کی ولایت کا کوئی تعلق تم
اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ	سے نہیں جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں۔ البتہ اگر وہ
إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ	معاملہ دین میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تم پر واجب ہے
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ	مگر کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس کے اور تمہارے
	درمیان معاہدہ ہو۔ اللہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

اس آیت میں یہ بات بالکل صاف کر دی گئی ہے کہ اگر ہماری سرحد کے باہر کسی مسلمان آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم سے مدد مانگے تو ہم صرف اسی صورت میں مدد کو جا سکتے ہیں جبکہ ظلم کرنے والی قوم کے ہمارے (قومی حیثیت سے) معاہدانہ تعلقات نہ ہوں لیکن اگر ظالم قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہو تو دل خواہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مصیبت پر کتنا ہی کڑھتا ہو ہم ان کی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کاروائی نہیں کر سکتے۔

رہا یہ سوال کہ اس ظالم قوم نے ہمارے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی پابندی نہیں کی ہے تو ہم کیوں اس کے معاملہ میں معاہدہ کا احترام ملحوظ رکھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے یہ سیاسی اخلاق ہمیں نہیں سکھایا ہے۔ یہ اخلاق ایک کافر قوم کے لئے زیبا ہو تو ہو مگر ایک مسلم قوم کے لئے ہرگز زیبا نہیں ہے کہ ظاہر میں معاہدہ قائم ہو، دوستانہ باتیں ہو رہی ہوں اور درپردہ ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ کارروائیاں جاری رہیں۔ یہ یورپ کی ملعون ڈپلومیسی ہے جسے ہم ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ یا تو کسی قوم سے معاہدہ نہ کرو، یا اگر معاہدہ کرتے ہو تو پھر پوری ایمانداری کے ساتھ اس کی پابندی کرو۔ اور جب دیکھو کہ فریق ثانی اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اس کا معاہدہ کھلم کھلا اس کے منہ پر مار دو، پھر تم آزاد ہو کر اس کے خلاف جو کارروائی کرنا چاہو کرو۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (الانفال - ۸)

اور اگر کسی قوم سے تم کو خیانت کا اندیشہ ہو تو برابری کے ساتھ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو (یعنی اس طرح کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ تمہارا اور ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا ہے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

آپ کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ حکومتوں کے باہمی معاہدات کے باوجود ہمارے افراد اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق سرحد پار کی کسی جنگ میں رضاکارانہ حصہ لے سکتے ہیں۔ آپ اس طرز عمل کے لئے بین الاقوامی دستور کو حجت میں پیش کرتے ہیں، مگر ہمارا کام دنیا کے کسی بین الاقوامی دستور کی پیروی کرنا نہیں ہے بلکہ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں صرف قرآن کے قانون کی پیروی کرنی چاہئے۔ قرآن کی رُو سے ہمارے ہر ہر فرد پر ان معاہدات کی پابندی واجب ہے جو ہم نے قومی حیثیت سے کسی کے ساتھ کئے ہوں۔ اس اخلاقی ذمہ داری سے اگر ہم بری الذمہ ہو سکتے ہیں تو صرف اس صورت میں جبکہ حکومت قوم کی نمائندہ نہ رہے۔ اس وقت ہم یہ اعلان کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم ایسی حکومت کے کئے ہوئے معاہدات کے پابند نہیں ہیں۔

آپ کا یہ بیان امر واقعہ کی حد تک بالکل درست ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے

کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے بلکہ یہ معاملہ ان کے درمیان ابہ النزاع ہے اور حکومت پاکستان انڈین یونین کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکی ہے لیکن اس امر واقعہ سے آپ کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ ہم کشمیر میں جنگی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ دونوں کے درمیان چند معاملات میں معاہدانہ تعلق اور ایک یا دو معاملوں میں حالت جنگ کا قیام ایک ایسی متناقض بات ہے جس کا کوئی معقول آدمی تصور نہیں کر سکتا۔ معاہدانہ تعلقات خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، بہرحال اس امر کو مستلزم ہیں کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کریں گی۔ کسی امر میں اگر ان کے باہم نزاع ہو تو جب تک معاہدانہ تعلقات قائم ہیں، اس نزاع کو پرامن طریقہ سے ہی سلجھانے کی کوشش کی جائے گی، اور اگر وہ کسی طرح نہ سلجھ سکے تو جنگ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ان تمام دوستانہ تعلقات کو ختم کرنا ہوگا جو ان کے درمیان قائم تھے۔ لہٰذا اگر قومی حیثیت سے ہماری یہ رائے ہے کہ کشمیر کے معاملہ کی نزاکت ہمارے لئے حد برداشت سے متجاوز ہو چکی ہے اور یہ معاملہ ہمارے لئے اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ ہمیں اس کی خاطر جنگ کرنی چاہئے تو بجائے اس کے کہ ہم اخلاقی اور شرعی حدود کو توڑ کر بے قاعدہ جنگی کارروائیاں کریں، ہم کو اپنی حکومت پر زور دینا چاہئے کہ وہ حکومت ہند کے ساتھ اپنے معاہدانہ تعلقات ختم کر کے کشمیر کے معاملہ میں کھلم کھلا فوجی مداخلت کرے۔ صرف یہی وہ سیدھا اور صاف طرز عمل ہے جو ایک مسلم قوم ہونے کی حیثیت سے ہم اپنے دین کے مطابق اختیار کر سکتے ہیں۔

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ اس موقع پر کشمیر کے معاملہ میں تمہارے اس اظہار رائے کی ضرورت ہی کیا تھی لیکن درحقیقت اس سوال کا جواب میرے ذمہ نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جنہوں نے اصرار کر کے ایک پرائیویٹ صحبت میں مجھ سے اس مسئلے پر استفسار کیا اور پھر میرے جواب کو مسخ کر کے بلا ضرورت اخبارات میں اچھالا۔ اگر میں نے بطور خود پبلک میں کوئی بیان دیا ہوتا اور اسے شائع کرنے کی کوشش کی ہوتی تو البتہ آپ مجھ سے شکایت کر سکتے تھے۔

اس ڈرامے کی مصری اداکار کانگریس تھی اور اس نے جو پارٹ ادا کیا وہ احمقوں کے سوا کسی سے داد نہیں پا سکتا۔ تقسیم ہند سے دو تین برس پہلے ہی یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ اب تقسیم کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اسکے دو راستے کھلے ہوئے تھے۔ ایک راستہ یہ تھا کہ تلخی اور بدمزگی کے بڑھنے سے پہلے ہی اس چیز کو سیدھی طرح قبول کیا جاتا جو ناگزیر ہو چکی تھی، اور بھلے آدمیوں کی طرح بیٹھکر سارے معاملات ایسے طریقہ سے طے کر لئے جاتے کہ مل جانے یا کم از کم شریف ہمسائیوں کی طرح رہنے کے مواقع باقی رہتے۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ "دے کے رہینگے" اور "ہرگز نہ دینگے" کے اس جھگڑے کو انتہائی تلخی کی حد تک بڑھنے دیا جاتا اور اس ناگزیر تقسیم کو ایسے مرحلے پر پہنچ کر قبول کیا جاتا جہاں الگ ہونے والی قوموں کے درمیان دوستانہ تو درکنار شریفانہ انسانی تعلقات برقرار رہنے کے امکانات بھی ختم ہو جاتے۔ کانگریسی لیڈروں نے ان دونوں راستوں میں سے دوسرے راستے کو انتخاب کیا۔ اس کی وجہ اگر نادانی تھی تو بد قسمت ہے وہ قوم جو اپنی باگیں ایسے نادان لوگوں کے ہاتھ میں دے۔ اور اگر اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ اپنی قوم میں اپنی ہر دلعزیزی کو کھونے کے لئے تیار نہ تھے تو یہ اور بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے اپنی پوزیشن کی خاطر ملک کو اس راستے پر جان بوجھ کر چلایا جس میں ان کے کروڑوں ہم وطنوں کی بربادی تھی۔

اس سارے کھیل میں کانگریس نے اپنے طرز عمل سے اپنے دشمنوں اور مخالفوں کی ایک ایک بات کو سچا اور اپنی ایک ایک بات کو جھوٹا کر کے دکھایا۔

ہندوستان کی آزادی کے خلاف چرچل اور دوسرے انگریز مدبرین کی سب سے زیادہ پرزور دلیل یہ تھی کہ ہمارے جاتے ہی ملک میں فساد عظیم برپا ہو جائیگا۔ کانگریسی لیڈر اس کے جواب میں کہتے تھے کہ یہ ایک بات ہے جو تم اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے بناتے ہو، ذرا ذمہ داری کا بوجھ اہل ملک پر ڈال تو دو پھر دیکھو کہ کیسا امن اور انصاف قائم ہوتا ہے۔ ان دونوں میں سے کسے واقعات نے کس کو سچا اور کسے جھوٹا ثابت کیا، یہ آج سارا زمانہ دیکھ رہا ہے۔

مسٹر جناح کا سب سے بڑا الزام کانگریس پر یہ تھا کہ وہ دراصل ایک متعصب ہندو قوم پرست جماعت ہے اور اس نے محض منافقت کے ساتھ ہندوستانی قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ کانگریسی اس الزام کو بالکل غلط کہتے تھے لیکن آزادی ملنے کی آمد کے بعد سے آج تک کانگریس اور اس کے لیڈروں نے جو کچھ کیا ہے وہ مسٹر جناح کے الزام کا ناقابل تردید